جلد01شمارہ 2024،17

Article

The Critical Research Dimensions of Ghalib's Poetry by Muhammad Ali Siddique

ڈاکٹر محمد علی صدیقی کی غالب شناسی کے تحقیقی و تنقیدی تناظرات

Dr. Muhammad Farid Ahmed, *[1]Dr. Samia Komal,[2]
[1] Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. Municiple Graduate College, Faisalabad.
[2]Assistant professor, Department of Urdu, Emerson University Multan-

*Correspondence: fareedmirza2012@gmail.com

ڈاکٹر محمد فرید احمد[1]،ڈاکٹر سامیہ کومل[2]
[1]اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ میونسپل گریجوایٹ کالج، فیصل آباد، [2] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، ایمرسن یونیورسٹی، ملتان

Abstract: Dr. Muhammad Ali Siddiqi is a renowned critic of progessive movement. He has presented different and unique aspects of Mirza Ghalib's literary work. He has tried his best to prove that Ghalib is the poet of past and present. He has compared Mirza Ghalib with Sir Syed Ahmed Khan, Iqbal, Meer Taqi Meer, Yas Yagana Changezi, Faiz and other well versed poets. Siddiqi presents Mirza Ghalib as a thinker and philosopher. Besides this, he has presented unique aspects of Mirza Ghalib's artistic approach related to his poetry. This article also shows Muhammad Ali Siddiqi's way of research and unqiue critical approach towards the topics being presented by him.

Keywords: Renowned Critic, Dr. Muhammad Ali Siddiqi, Progressive Movement, Ghalib, A lot of Criticism, Poet, Thinker, Researcher, Sytle.

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813
Received:12-04-2024
Accepted:16-06-2024
Online:27-06-2024

Copyright: © 2023 by the authors. This is an access-open article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

مرزااسداللہ خاں غالبؔ کو حمایت و مخالفت کی صورت میں اِس قدر شہرت ملی کہ زندگی میں ہی اُن کے کلام کی وقعت، معنی آفرینی نظم و نثر کی ہمہ جہتی اور موضوعات کی بوقلمونی نے محققین و ناقدین کو اپنی طرف ایسا متوجہ کیا کہ غالب شناسی کی روایت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ عہد حاضر میں بھی تسلسل سے جاری ہے۔ مغلیہ دورِ حکومت کے مشاہداتی پہلوؤں اور انگریز سرکار کی حکومت کا مد و جزر، سامراجی طرزِ حکمرانی اور اس کے مثبت اور منفی زاویوں نے مرزا غالبؔ کی شاعری کے موضوعات کو ایسا تنوع عطا کیا کہ مرزا غالب نے انسانی زندگی کے سماجی، اقتصادی، سیاسی اور رومانوی پہلوؤں کو اپنے منفرد اسلوب سے ہمہ گیری عطا کر دی۔ مرزا غالب کو خود بھی اپنی قادر الکلامی اور معنی آفرینی پر ناز تھا جس کا انھوں نے اپنی شاعری اور تحریر میں اکثر ذکر کیا ہے۔ ''یادگارِ غالبؔ'' میں مولانا حالیؔ اس بابت لکھتے ہیں:

''مرزا نے اپنی کتاب ''مہر نیم روز'' میں ایک موقع پر بہادر شاہ ظفر کی طرف خطاب کر کے یہ ظاہر کیا ہے شاہجہاں کے عہد میں کلیم شاعر کو سیم و زر میں تولا گیا تھا، مگر میں صرف اس قدر چاہتا ہوں کہ اور کچھ نہیں تو میرا کلام ہی ایک دفعہ کلیم کے کلام کے ساتھ تول لیا جائے۔''(1)

بلاشبہ غالبؔ کی پہچان اُن کا نثری (خطوط) اور شعری سرمایہ ہے مگر یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ غالبؔ کی شہرت اور ان کے کلام کے ظاہری اور مخفی پہلوؤں کو عوام الناس پر عیاں کرنے میں غالب شناسوں کی خدمات بھی قابلِ قدر ہیں۔ مولانا امتیاز علی عرشی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، سید معین الرحمان، ڈاکٹر سلیم اختر، صوفی غلام مصطفی تبسم، غلام رسول مہر، حیدر علی نظم طباطبائی، انیس ناگی، نیر پرویز، خلیق انجم، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، پروفیسر وقار عظیم اور عہد حاضر کے ناقدین، محققین اور ادبا کا ایک ایسا طویل سلسلہ ہے جنھوں نے نہ صرف غالب شناسی میں قاری کے لیے سہولت پیدا کی بلکہ غالب کے کلام کی معنی آفرینی کو بھی اجاگر کیا ہے۔

انھی محققین و ناقدین میں ایک نام جدید ترقی پسند ناقد ڈاکٹر محمد علی صدیقی کا بھی ہے جنھوں نے غالب شناسی سے متعلق اہم پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ غالب سے متعلق ان کے مضامین اُن مختلف کتابوں، رسائل اور اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ پھر انھوں نے غالب سے متعلق موضوعات کو اپنی تصنیف ''غالب اور آج کا شعور'' میں پیش کیا ہے۔ ان مضامین میں ''غالب التباس اور حقیقت کے درمیان''، ''غالبؔ۔۔ سرسید تحریک کی پہلی آواز''، ''میرؔ اور غالبؔ۔ خطِ فاصل کا مطالعہ''، ''غالبؔ کا شعری مزاج''، ''غالبؔ کی جمالیات''، ''غالبؔ، دہلی اور رستخیزِ جائز''، ''غالبؔ و اقبالؔ، ایک تقابلی مطالعہ''، ''غالبؔ اور یگانہ چنگیزی''، ''غالبؔ اور انسانی مقدر''، ''غالبؔ اور آج کا شعور''، ''تین آوازیں، تین لہجے''، ''غالبؔ اور فیضؔ: ایک سلسلہ خیال کے دو نام''، ''فغانِ غالبؔ ایک مطالعہ'' اور ''توقیتِ غالبؔ مرتبہ کالی دس گپتا رضا'' زیادہ اہم ہیں۔ غالب شناسی سے متعلق محمد علی صدیقی کے استدلال اور طرزِ تحقیق و تنقید کو غالب پر لکھے گئے ان کے مضامین کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جس کے چند ایک حوالے زیرِ بحث مضامین کے تناظر میں دیے گئے ہیں۔

محمد علی صدیقی نے ''غالب التباس اور حقیقت کے درمیان'' عنوان کے تحت لکھے گئے مضامین میں غالب کو سرسید اور اقبال سے بہت پہلے تقدیرِ امم کے زوال کے اسباب سے آگاہ قرار دیا ہے اور یہ کہ غالب کو مغلیہ سلطنت کی مکمل زبوں حالی اور انگریزی اقتدار کی مضبوطی کا بخوبی اندازہ تھا۔ پھر غالب ۱۸۲۸ء کے دوران مغربی تہذیب کی سائنسی ترقی کی جھلک دیکھ چکا تھا۔ وہ سر آئزن نیوٹن کی پرنسپیا

(Principia) کے چرچے من اور دخانی جہاز کی حقیقت سے آگاہ ہو چکا تھا اسی لیے اس نے اپنے معاشرے کے سیاسی زوال کا بنیادی سبب علم اور بطور خاص جدید یعنی مغربی علم سے دوری کو قرار دیا۔ فاضل ناقد نے اسی باب میں ایک تحقیقی نکتہ یہ اٹھایا کہ بہت سے ناقدین غالب کی شاعری پر ۱۸۵۷ء کے اثرات دیکھتے ہیں جو کہ غلط ہے کیونکہ غالب کی تمام تر شاعری ۱۸۵۷ء سے قبل کے دور کی شاعری ہے۔

> ''غالب کی اردو شاعری میں اکثر و بیشتر ۱۸۵۷ء کے واقعات کے ارتعاشات دیکھنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ بابائے اردو جیسے محقق سے لے کر بعض جدید نقادوں نے بھی اس نوع کے مفروضات پر عمل کیا ہے۔''(۲)

فاضل ناقد اپنے محققانہ انداز تنقید کے تحت کسی بھی پہلو کو بنیاد سے دیکھتے ہیں اور ایک سائنٹفک اندازِ تنقید کے قائل ہیں۔ ''غالب۔۔۔ سرسید تحریک کی پہلی آواز'' میں صدیقی نے ترقی پسند فکر کے حوالے سے غالب اور سرسید دونوں کو ہم خیال قرار دیا ہے۔ غالب انگریز حکمرانوں کی صنعتی ترقی سے متاثر تھے۔ دخانی انجن، ریلوے، ٹیلیگراف اور صنعتی ترقی غالب کو انگریز کی طرف سے ان کی برتری کا قائل بنا رہی تھی اور وہ بھی جدید تعلیم کے حصول کے حامی بن گئے۔ اسی طرح سرسید بھی جدید سائنٹفک تعلیم اور ٹیکنالوجی کو برصغیر کی زاول آمادہ مسلم قوم کے لیے نہایت ضروری سمجھتے تھے۔ سرسید کی ترقی پسند آواز پہلے غالب کے ہاں بھی سنائی دیتی ہے۔

> ''غالب نے جس معاشرے میں جنم لیا تھا وہ ژولیدگی کے بھیانک جمود میں گرفتار تھا، وہ تبدیلی کے خوگر تھے۔ غالب برصغیر میں فکری انقلابات کے اولین داعیوں میں سے تھے۔ وہ انقلاب جس کی ایک طرف غالب ہیں اور دوسری طرف سرسید احمد خان۔''(۳)

وہ سرسید کی فکر کا سراغ لگاتے لگاتے غالب تک پہنچتے ہیں اور انہیں یہی ترقی پسندانہ آواز اور سوچ کسی نہ کسی صورت میں غالب کے ہاں سنائی دیتی ہے۔ ''میرؔ اور غالبؔ: خط فاصل کا مطالعہ'' میں صدیقی نے میرؔ اور غالبؔ کی شاعری اور موضوعات میں فرق کو اس طرح بیان کیا ہے کہ میرؔ اور غالبؔ میں فکری اور موضوعاتی تفریق پیدا ہو جاتی ہے:

> ''میرؔ اپنے دور کی آواز ہیں لیکن ان کے برخلاف غالب ہندوستان کی سیاسی طاقت کے خاتمہ کے بعد مستقبل آفرینی میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ غالب ''گلشن ناآفریدہ'' کی بات کرتے ہیں جبکہ میر دل یا دِلّی کی تاراجی شکل میں روایتی اقدار کے خاتمے کا ماتم کرتے ہیں۔''(۴)

اور پھر خوبصورت موازنہ کرتے ہوئے میرؔ اور غالبؔ کی شاعری کا ذات سے کائنات کا سفر یوں واضح کرتے ہیں جس میں میرؔ دورونِ ذات اور غالب بیرونِ ذات کے مسافر دکھائی دیتے ہیں۔ غالبؔ میرؔ سے خط فاصل پر دکھائی دیتے ہیں اور پھر اپنے موازنے کو کسی منطقی انجام پر پہنچا کر فاضل ناقد اپنی رائے کا دوٹوک اظہار بھی کرتے ہیں۔

> ''میرے خیال میں میرؔ کی طبعی دنیا وسیع نہ تھی جس قدر کے مرزا غالب کی۔ میرؔ اٹھارہویں صدی تک کے شعرا سے خاصے مختلف ہوتے ہوئے بھی فکر سے زیادہ احساس کے شاعر

ہیں۔''(۵)

غالب روایت سے بغاوت کے شاعر ہیں۔ اپنی فکر اور اسلوب بیان کے حوالے سے بھی منفرد ہی نظر آنا چاہتے ہیں۔ ان کے اشعار میں خوش بیرینی، تعقل پسندی، استدلالی اندازِ بیان اور استفہامیہ لہجہ ہر جگہ کسی نہ کسی مختلف انداز میں ضرور دکھائی دیتا ہے۔ پھر غالب نے گذشتہ شعری روایت سے بغاوت کرتے ہوئے اپنے لیے الگ راستہ تلاش کیا۔ محمد علی صدیقی لکھتے ہیں:

''غالب کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ اردو شاعری کی اس روایت سے جو عشق ہی کو ملجا وماوا تصور کرتی تھی گریزپا ہوئے اور انہوں نے وحدت الوجودی ہوتے ہوئے بھی عقل کو معیار اول بنایا۔ وہ اردو زبان کے وہ پہلے شاعر ہیں جو یورپ میں (Humanism) جیسی کسی تحریک سے غیر شعوری طور پر وابستہ ہوتے ہوئے، انسان سے محبت ہی کو اللہ کی خوشنودی کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔''(۶)

محمد علی صدیقی غالب کے قصیدہ ہشتم اور نواب سعد الدین خاں شفق کے نام غالب کے مکتوبات سے نکتہ پیش کرتے ہیں کہ غالب اردو کے تمام شعرا میں سے وہ منفرد شاعر ہیں جو علم نجوم سے بخوبی واقف ہیں اور ان کی پیش گوئیاں متاثر کن حد تک حقیقت سے قریب تر بھی ہیں۔ محمد علی صدیقی غالب کے علم نجوم سے واقفیت کو اپنے محققانہ انداز میں دریافت کرتے ہیں اور صدیقی کی اس خوبی کے معترف ڈاکٹر انوار احمد بھی ہیں جو اُن کی اس خصوصیت کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''صدیقی، غالب کے فارسی قصیدہ ہشتم اور نواب سعد الدین خان شفق کے نام غالب کے مکتوب کے اقتباس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ غالب علمِ نجوم میں دستگاہ رکھتے تھے اور پھر تفتہ کے نام غالب کے اس خط سے وہ نکتہ نکالتے ہیں، جو اب تک مسلمہ غالب شناسوں کے ہاں میں نے نہیں دیکھا۔''(۷)

غالب نے حقیقی رستخیز اپنی بصیرت اور علم نجوم کی بدولت ۱۸۵۷ء کی بجائے ۱۸۲۳ء سید احمد شہید کی تحریک مجاہدین کی وہابی تحریک کو بنایا۔ غالب کی دانائی اور سیاسی معاملہ فہمی اور دور اندیشی کا علم دیکھیں کہ وہ شیعہ ہوتے ہوئے بھی وہابی تحریک کا حصہ بنے اور انگریزی غلبہ کا خاتمہ کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔ محمد علی صدیقی کے تحقیقی و تجزیاتی انداز فکر کے مطابق غالب مسلم سماج کی زبوں حالی پر بھی نالاں تھے۔

صدیقی تقابلی مطالعہ سے مذکورہ شخصیات کی فکر اور سیاسی و سماجی پس منظر کی گرہیں اس طرح کھولتے ہیں کہ متعلقہ ادیبوں کا سماجی اور شعوری فکری پس منظر قاری پر واضح ہو جاتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ فاضل ناقد اپنے وسیع تر مطالعہ کو پیش کرنے کے سلیقے اور ڈھنگ کو بخوبی جانتے ہیں۔ غالب کا اقبال سے موازنہ کرتے ہیں ان کی فکری اور سماجی دنیا کا نقشہ کھینچتے ہوئے ان کے درمیان مختلف سمتوں کا خاکہ یوں پیش کرتے ہیں:

''غالب، اقبال کے مقابلے میں میں گوشت پوست ہی کے آدمی نظر آتے ہیں جن سے لغزشیں بھی سرزد ہوتی ہیں۔ وہ اپنی واردات قلبی کی نفسیاتی گرہیں کھولتے رہے ہیں جب کہ ''اقبال کی شاعری'' کیا ہے۔ سے زیادہ ''کیا ہونا چاہیے'' پر مرکوز ہے۔''(۸)

مذکورہ طویل اقتباس پیش کرنے سے مراد محمد علی صدیقی کے تقابلی انداز نقد کی طرف بھی اشارہ مقصود تھا۔ وہ بھرپور طریقے سے دونوں ادیبوں کے فلسفوں، محسوسات اور فکری تطام کے ساتھ دونوں کے موضوعات کو سماجی پس منظر کی صورت میں قابل ذکر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ صدیقی مرزا غالب کو برصغیر کا وہ واحد شاعر سمجھتے ہیں جس نے اسلامی اور مغربی فکر میں تجربیت کے ذریعے انسانوں کے غلط عقائد اور رسومات پر اعتراضات کیے۔ وہ اپنے مضمون ''غالب اور آج کا شعور'' میں اس طرف یوں اشارہ کرتے ہیں:

''میرا خیال ہے کہ غالب ہی اردو کے وہ پہلے شاعر ہیں جن کی فکر نے اپنے سماج کے معتقدات رسومات کے پورے نظام شمسی پر اعتراضات کیے۔''(۹)

فاضل ناقد تقابلی مطالعہ کے ذریعے بھی غالب کی فکر اور سماجی پس منظر واضح کرتے ہیں۔ ''میر آور غالب، خط فاصل کا مطالعہ'' میں وہ میر کی فکر و سفر کو اندرونِ ذات اور جبکہ غالب کو بیرون ذات کے مسافر قرار دیتے ہیں۔ میر کی شاعری محبوب کے سامنے مکمل خود سپردگی جبکہ غالب کی شاعری اس رویہ کی ضد ہے۔ پھر اپنے ایک مضمون ''غالب اور فیض'' میں وہ فیض کو اقبال کی نسبت غالب سے قریب تر اور متاثر سمجھتے تھے۔ صدیقی ایک وقت اور ایک موضوع میں کئی ادیبوں اور شاعروں میں اختلاف یا مماثلت ڈھونڈ لیتے ہیں اور یہ صرف وہی ناقد کر سکتا ہے جس کا مطالعہ بہت وسیع ہو اور اپنی منفرد قطعی رائے کا حامل بھی ہو۔ غالب، جوش اور فیض میں قدرِ مشترک و صف کی طرف اپنے تنقیدی مضمون ''تین آوازیں، تین لہجے'' میں لکھتے ہیں:

''غالب، جوش اور فیض کی شکل میں جدید فکر کے تین روپ، تین لہجے سامنے آتے ہیں۔ غالب نے اپنی مثنوی دہم میں جدید عہد کی بعض نشانیوں کو معجزوں کی حیثیت دی ہے۔ ان کی توجہ مظاہر سے زیادہ ''جوہر'' پر ہے۔''(۱۰)

صدیقی اپنی تصنیف ''غالب اور آج کا شعور'' میں بریگیڈیئر گلزار احمد کی تصنیف ''فغان غالب، ایک مطالعہ'' کا تنقیدی جائزہ بھی لیتے ہیں اور بریگیڈیئر کے غالب کے لیے ہمدردانہ گوشہ رکھنے کو سراہا ہے کہ بریگیڈیئر نے غالب کو انگریزوں کا خوشامدی کہنے کے بجائے ایک عارف کی طرح دیکھا اور انگریز کی تعریف اگر غالب کو کرنا بھی پڑی وہ حالات کی سنگینی کی وجہ سے تھی۔ اس دور میں حکمران انگریز کے خلاف سوچنا بھی تعزیری جرم سے کم نہ تھا۔ صدیقی بھی غالب کے انگریز کی تعریف کرنے کو حالات کی نزاکت خیال کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ غالب انگریز کے اقتدار پر کڑھتا تھا۔ وہ اس بیرونی استبدار کے خلاف تھا:

''غالب کے اشعار کی درجنوں Images برطانوی جاہ و جلال پر ردعمل کی Images ہیں۔ جو غالب کو اردو کا وہ پہلا شاعر بنا دیتی ہیں۔ جسے بیرونی استبداد کے سامنے حساس فنکار کی

بے بضاعتی ہی سمجھا جا سکتا ہے۔''(۱۱)

قاضی عابد محمد علی صدیقی کی غالب شناسی کی بابت لکھتے ہیں:

''غالب پر یقیناً اردو میں بہت لکھا گیا ہے کہ اب اگر کوئی غالب پر قلم اٹھائے تو اسے سوچنا پڑے گا کہ وہ غالبیات میں کیا اضافہ کر سکتا ہے لیکن محمد علی صدیقی کی کتاب (غالب اور آج کا شعور) غالبیات میں ایک اہم اضافہ ہے اور غالب کی زندگی اور ادب کے کئی مستور گوشوں کو وا کرتی ہے۔''(۱۲)

غالب شناسی کے سلسلے میں محمد علی صدیقی کا مطالعہ تجزیاتی اندازِ نقد کا حامل ہے۔ وہ جہاں ابوالکلام آزاد، عبدالرحمان بجنوری، سر عبدالقادر اور دوسرے معتبر مداحین غالب کا مطالعہ کرتے ہیں وہیں یاس یگانہ چنگیزی اور ڈاکٹر عبدالطیف (عثمانیہ) جیسے غالب شکنوں کے اعتراضات کا بھی محققانہ انداز میں موثر جواب دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ صدیقی غالب کی جمال پرستی کو ان کے سیاسی اور سماجی شعور کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ تجزیاتی موازنہ پیش کرنے میں بھی صدیقی اپنی جداگانہ پہچان کے حامل ہیں۔ وہ فکری مماثلتیں تلاش کرتے ہوئے شعرا اور ادبا کا سماجی تناظر بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ ان کے تقابلی اور تجزیاتی انداز تحریر کی ایک مثال ان کے مضمون ''غالب، جوش اور فیض تین آوازیں، تین لہجے'' پیش کی جاتی ہے جس میں غالب کی فکر کو جدید فکر کے تناظر میں بھی پیش کیا گیا ہے:

''غالب کی شعری فکر بطور خاص ''مثنوی دہم'' میں موجود فکر ہو یا جوش کی شاعری کا تمام تر انقلاب پسند لہجہ ہو یا فیض کا مجموعی شعری رویہ ہو۔۔۔۔ جدیدیت ان سب شعرا کے لیے بمنزلہ ایمان کے ہے۔ غالب، جوش اور فیض کی شکل میں جدید فکر کے تین روپ، تین لہجے سامنے آتے ہیں۔''(۱۳)

ڈاکٹر محمد علی صدیقی نے غالب پر بہت زیادہ تحقیقی، تنقیدی کام ہونے کے باوجود غالب کی فکر کے نئے پہلوؤں کو تحقیقی و تنقیدی انداز میں پیش کیا ہے اور غالب سے متعلق کچھ غلط فہمیوں سے بھی پردہ اٹھایا ہے جیسے بہت سے ناقدین نے غالب کی شاعری پر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے اثرات کو بار بار بیان کیا جبکہ فاضل ناقد نے غالب کے قصیدہ ہشتم اور نواب سعدالدین شفق کے نام غالب کے مکتوب سے تحقیقی انداز میں یہ ثابت کیا کہ غالب علم نجوم میں مہارت رکھتے تھے اور یہ کہ انھوں نے غالب کو حقیقت پسند فلسفی کے طور پر پیش کیا جو انگریز کی ترقی کو دخانی انجن، ریلوے، ٹیلیگراف اور صنعتی ترقی کی صورت میں دیکھ رہا تھا اور جانتا تھا کہ اگر انگریز کا مقابلہ کرنا ہے تو جدید تعلیم اور ٹیکنالوجی سے ہی کرنا ہو گا اور یہ کہ غالب مغربی تہذیب کے فتحیات پہلوؤں سے آگاہ تھے۔ یہی وہ سوچ تھی جسے سرسید کی فکر میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ پھر اقبال اور فیض کے ہاں ترقی پسند فکر کے حوالے سے سنا جا سکتا ہے۔ محمد علی صدیقی نے میر، اقبال، یگانہ چنگیزی، جوش اور فیض کے ساتھ غالب کی فکر اور سماجی پس منظر کو تقابلی مطالعہ کی صورت میں اس طرح تحقیقی انداز میں پیش کیا کہ غالب شناسی میں ان کی فکر اور رائے ایک معتبر حوالہ بن گئی ہے۔

حوالہ جات

1. حالی، الطاف حسین، یادگارِ غالب، لاہور: بک ٹاک، ۲۰۱۵ء، ص۸
2. محمد علی صدیقی، ڈاکٹر، غالب اور آج کا شعور، ایم۔آر پبلی کیشنز، نئی دہلی: ۲۰۰۶ء، ص۸
3. محمد علی صدیقی، اشاریے، کراچی: مکتبہ افکار، ۱۹۹۴ء، ص۸۴
4. محمد علی صدیقی، ادراک، کراچی: احمد برادرز پرنٹرز، ۲۰۰۷ء، ص۴۶
5. محمد علی صدیقی، غالب اور آج کا شعور، ص۲۳
6. ایضاً، ص34
7. انوار احمد، ڈاکٹر، محمد علی صدیقی، اردو تنقید میں ایک معتبر نام، مشمولہ ''توازن کی جہات'' مرتبہ: ڈاکٹر قاضی عابد، شاہکار سعیدی پرنٹنگ پریس، ملتان ۲۰۰۷ء، ص۱۶
8. محمد علی صدیقی، غالب اور آج کا شعور، ص75
9. محمد علی صدیقی، ڈاکٹر، غالب اور آج کا شعور، ص95
10. محمد علی صدیقی، اشاریے، کراچی: مکتبہ افکار، ۱۹۹۴ء، ص133
11. ایضاً، ص۱۲۶
12. قاضی عابد، ڈاکٹر (مرتب)، مشمولہ ''توازن کی جہات''، شعبہ اردو بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان: ۲۰۰۷ء، ص۳۴
13. محمد علی صدیقی، غالب اور آج کا شعور، ص۱۱۳